OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com

ابوانیس محمد برکت علی لودھیانوی کی صوفیانہ نثر

Mystical Prose of Abu Anees Muhammad Barkat Ali Ludhianawi

Muhammad Shafiq

Doctoral Candidate Urdu, AIOU, Islamabad/Assistant Professor of Urdu Govt. College Township, Lahore

Dr. Muhammad Zafar Iqbal

Department of Urdu, Forman Christian College (Chartered University), Lahore

Dr. Mehboob Ali Shah

Head Master, Govt. Elementary school Mehta Jhedu, Chishtian, Bahawalnagar

Abstract

Abu Anees Muhammad Barkat Ali Ludhianwi (1911-1997) is a well-known intellectual, literary and spiritual figure of present era. His research and creative books are of international fame. In terms of research and compilation, his books "Kitab-Ul-Amal Bis- Sunnah Al-Ma'roof Tarteeb Sharif"and "Asma Ul Nabi-ul-Kareem" are considered as textbooks and reference books in the universities of Islamic countries. His work in rdu Prose "Maqalat-e"-Hikmat (30 volumes) is a unique example in terms of thickness, style of expression and intellectual themes. The article under study titled "Abu Anees Muhammad Barkat Ali Ludhianwi's Mystical Prose" has been written in the light of the references of the same book. Hazrat Abu Anees is a practicing Sufi. In his writings, he presents the mystic thoughts in the light of Quran and Sunnah. According to him, Sufisim and monasticism are the practical names of the teachings of the Quran and Sunnah. His style is a fine example of eloquence. He

CC BY

explains his thoughts and ideas in an understandable way simplicity, smoothness, comprehensiveness and brevity.

Key words: Barkat Ali Ludhianwi, Maqalat-e-Hikmat", Intellectual, creative compilation, eloquence, simplicity, comprehensiveness

تمہید

اُردو نثر کے ارتقاء و فروغ میں صوفیہ کا کردار نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ انہوں نے اپنی تخلیقات و تعلیفات میں قرآن و سُنت کی تعلیمات کو سادگی و سلاست سے بیان کے ہے۔ اُن کے اس عمل سے لوگوں کے کردار کی اصلاح ہوئیاور اُردو نثر کو بھی تقویت ملی۔ حضرت بندہ نواز گیسو دراز سے یہ سلسلہ شروع ہوا اور آج تک جاری ہے۔ منصوفانہ نثر کی اس روایت کو حضرت ابو انیس نے خوب صورتی سے نبھایا ہے۔ اُردو نثر میں اختصاریہ نویسی کے حوالے سے اُن کا نثری سرمایہ اپنی مثال آپ ہے۔

ابوانیس کی صوفیانہ فکر

ابو انیس کی نثر میں قرآن، حدیث، فقہ، تاریخ، تہذیب و ثقافت، علمی افکار اور شریعت و طریقت کے متعلق بکثرت معلومات ملتی ہیں۔ وہ اپنے مقالاتِ حکمت میں عہدِ رفتہ کی متصوّفانہ زریں روایات کو سراہتے ہیں اور عملی زندگی میں اپناتے بھی ہیں۔ طرزِ کُہن سے عدم وابستگی اور آئین نو سے پیوستگی کا جسارت آفریں پیغام دیتے ہیں۔ دورِ حاضر میں شریعت سے بعید متصوّفانہ رسوم کا قلع قمع کرتے ہیں۔ طالبانِ طریقت کو قرآن و سنت سے منسلک صوفیانہ اقدار اپنانے کی رہنمائی بھی فراہم کرتے ہیں۔ اُن کے نزدیک قرآن و سنت کی تعلیمات پر عمل کا نام تصوف ہے۔ شریعت نبی کریم ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہے۔ اس پر عمل پیرا ہوئے بغیر طریقت کا باب نہیں کھُلتا۔ یہی ابتدا اور اسی میں کمال، طریقت کی انتہا ہے اتباعِ شریعت کے متعلق سادگی اور خلوص سے رقم طراز ہیں: "شریعت کی اتباع طریقت کا اولین سبق ہے اور جب تک کوئی اسے ازبر نہیں کرتا، اس کا کوئی کلام نہ ذِمّہ دارانہ ہے نہ معتبر اگرچہ وہ ہوا میں اُڑے اور پانی پہ چلے۔[1]" فقیر سُنت کا نہیں دنیا کا تارک ہوتا ہے۔ جس فقر پر نبی کریم ﷺ نے فخر کیا اُسے حضرت علیؓ نے اپنا کر فقر کا امتیاز حاصل کیا۔ آج کا فقیر اس معیار کو اپنانے سے قاصر ہے۔ بے عملی کو فقیری سمجھتا ہے۔ حضرت ابو انیس نے اس دورِ قحط الرجال میں طریقت کی تعلیمات کو کُہنہ اثرات سے نکال کر نہ صرف جدت کے ساتھ پیش کیا بلکہ قابلِ تقلید نمونہ بھی دیا۔ فقر کے متعلق اُن کا خیال ہے: "قرآن کی حقیقت سُنتِ رسول ﷺ اور سُنتِ نبویؐ کی حقیقت، فقرِ حیدریؓ ہے۔ بھنگ پی کر بھنگڑا مارنا فقر حیدریؓ نہیں، فقرِ حیدریؓ کی توہین ہے۔ سُنتِ نبویؐ کی کامل اتباع فقرِ حیدریؓ ہے۔ اللہ کی قسم! اے جانِ من! سنتِ نبویؐ کی کامل اتباع ہی فقرِ حیدریؓ ہے۔"[2] اہل علم کائنات کا مشاہدہ عقل و فہم سے اور سالک نورِ معرفت سے کرتا ہے۔ سالک کی باطنی آنکھ جب کھلتی ہے تو پھر ہر سو وہ ایک ہی ذات کو جلوہ فرما دیکھتا ہے۔ بظاہر اس کے کئی نام ہیں اور کئی کام۔ "فنا فی اللہ کے اس مقام پر میں ناہیں سب تو کا حال وارد ہوتا ہے، اندر تو، باہر تو، اٹھارہ ہزار عالم میں تو، میں نفی، تو اثبات۔ صدائے کُن فکاں ہر لمحہ جاری و ساری، اہل خرد اسے جبر اور اہلِ عشق اِسے وحدت الوجود کا نام دیتے ہیں۔ جہاں الا اللہ کے سوا کسی کو کسی پر کوئی قدرت نہیں۔ حضرت ابو انیس وحدت کے اس تصور کو، حاضر و ناظر کی موجودگی کو اور ارادتِ ازلی کے ظہور کو صوفیانہ انداز میں کمال مہارت سے بیان کرتے ہیں: "جسم الوجود کے اندر کے کارخانۂ قدرت کی کلوں کو محوِ عمل دیکھ کر ہر بندہ یہ کہنے پہ مجبور ہو جاتا ہے کہ وہ کچھ بھی نہیں۔ اس کے قبضۂ قدرت میں کوئی شے نہیں اور مطلق نہیں۔ نہ ہی اس کی اپنی کوئی مرضی ہے۔

لَااِلٰہ الا اللہ نفی اثبات۔ موجودات کی نفی اور موجود کا اثبات ہے۔ لا الہ الا اللہ افضل الذکر ہے۔ لا الہ الا اللہ میں فاضل مقیم ہے۔ اور اسی کی بدولت افضل ہے! موجود سے موجودات ہیں۔ موجود نہیں تو موجودات کیسی؟ کسی کو بھی کسی امر پہ کوئی قدرت نہیں دی گئی۔ نہ تجھ کو، نہ مجھ کو اور نہ ہی کسی اور کو۔ سب نام پہچان ہی کے لیے رکھے جاتے ہیں۔۔۔۔ ورنہ کارخانۂ قدرت کا نظام ارادتِ ازلی کے تحت محوِ عمل ہے!۔۔۔ کسی دوسرے کو کسی بھی امر پہ کوئی قدرت نہیں۔"[3] طریقت کے سفر میں شیخ کی رہنمائی ضروری ہے۔ ذاتِ کریم بھی شہ رگ کے قریب اور دل کے عرش پہ جلوہ افروز ہے۔ نفس و خناس کا ڈیرا بھی اندر ہے، بغض، کدورت اور شر بھی اندر ہی مقیم ہیں۔ شیخ کامل ہی ہر راز سے پردہ اُٹھاتا ہے اور سالک کو مشاہدہ کرواتا ہے۔ عرفان کی منزل شیخ کی نگاہ کے فیض سے حاصل ہوتی ہے۔ تقویٰ اور معرفت کی اس راہ میں معیتِ شیخ ضروری ہے۔ جیسے ہماری عام زندگی کے تمام معاملات میں کسی نہ کسی کی رہنمائی ہمارے شاملِ حال رہتی ہے اسی طرح باطن کی اصلاح کے لیے ایسے شیخ کامل کی رہنمائی ضروری ہے۔ جو طریقت کے اسرار و رموز سے آگاہ ہو۔ شیطان اور نفس و خناس کے مکر و فریب کا عارف ہو۔ ہر سلسلۂ طریقت میں سالک کو فیض یاب کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ شیخ تعلیماتِ رسالت ﷺ کا مظہر و امین ہوتا ہے۔ شیخ کامل طالب کو علائق دنیا سے توڑ کر اللہ سے جوڑ دیتا ہے۔ اپنے فیضانِ تربیت سے اُسے فنا و بقا کی منازل طے کرا کے حیاتِ سرمدی کا امین بنا دیتا ہے۔ طریقت کا یہ سلسلہ بارگاہِ نبوت سے فیض یاب اور قیامت تک فیض بار رہے گا۔ شیخ کی نظر کرم سے حُسنِ ازلی کے عشاق بارگاہِ حُسن میں حضوری کی سعادت حاصل کرتے رہیں گے۔ یہ مقربین خاص ہی قرآن و سنت کی تعلیمات کے قولی و عملی مبلغ ہیں۔ شیخِ کامل کے متعلق حضرت ابو انیس لکھتے ہیں: "**مولوی** وہ ہے جو چاروں مذاہب میں فتویٰ دے سکے۔ **شیخ** وہ ہے جو طریقت کے چاروں خاندانوں میں تعلیم دے سکے۔ **فقیر** وہ ہے جو شب و روز ہمہ تن و من، ذکر الٰہی میں محو و منہمک رہے۔"[4]

روحانی معاملات کا بیان مہارت طلب ہے۔ بعید از قیاس حقائق کو سمجھنا نہایت مشکل ہے۔ وحدت الوجود و الشہود عملی و نظری تصوف کا پسندیدہ موضوع رہا ہے۔ اصل حقیقت صرف صاحبِ حال جانتا ہے۔ آدابِ تصوف کی وجہ سے سرِ عام انکشاف سے بھی قاصر ہے۔ حضرت ابو انیس نے نئی اصطلاح "وحدت الوجود و الشہود و العطوف" کے عنوان سے سہل ترین انداز سے اس بڑی حکمت کو بیان کیا ہے، لکھتے ہیں: "وحدت الوجود ایک منزل ہے جو اللہ کی طرف سے زمین پر اتاری جاتی ہے۔ وحدت الوجود و الشہود و العطوف ایک حال ہے۔ جو اللہ کی طرف سے بندوں پہ وارد کیا جاتا ہے۔ حضور اقدس ﷺ کی ساری اُمت میں یہ منزل اور یہ حال گنتی کے چند بندوں پہ نازل ہوا جن کی تعداد پانچ یا سات سے زیادہ نہیں ہے۔ یہ منزل اللہ ہی کے لطف و کرم سے طے کی جا سکتی ہے۔ سلوک میں اس سے کڑی، مشکل، سخت اور دُشوار کوئی منزل نہیں۔۔۔۔ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی پہ یہ منزل پوری طرح وارد ہوئی اور جس وضاحت سے انہوں نے اس منزل کو بیان کیا ہے اور کسی نے نہیں کیا۔۔۔۔ اس منزل کے کسی حامل نے کبھی بھی اور کسی دور میں بھی یہ نہیں کہا کہ ہر شے اللہ ہے؛ بلکہ یہ کہا کہ ہر شے میں اللہ ہے اور یہی اس منزل کا لُبِّ لباب ہے۔۔۔۔ ہر شے اللہ ہی کے نور سے قائم اور موجود ہے۔ کل کائنات ارادتِ ازلی ہی کی تفسیر ہے۔ کسی بھی شے کا اپنا کوئی وجود نہیں۔ جیسے اللہ نے بنائی بن گئی، جیسے چاہا، کرنے لگی۔ زمانے کے نشیب و فراز، زیر و بم، ردّ و بدل سب اللہ ہی کی طرف سے ہیں۔ یہاں تک کہ ہر حکم میرے اللہ ہی کا حکم اور حکمت پہ مبنی ہوتا ہے جو کچھ بھی، اور جیسے بھی آج اس دنیا میں ہو رہا ہے اللہ ہی کے ارادے، مرضی اور حکم سے ہو رہا ہے۔[5]

حضرت ابو انیس کے نزدیک عارف وہ ہے جو اس راز کو جانتا اور اس حقیقت کو سمجھتا ہے کہ ہر فعل کا حقیقی فاعل اللہ اور مفعول بندہ ہے۔ جب تک کوئی سالک مخلوق کے افعال کی حقیقت کو نہیں سمجھتا عارف نہیں ہو سکتا۔ عارف کے مقام و مرتبے کے بارے میں لکھتے ہیں: "(سالک) جب تک غیریت (دوئی) سے پاک نہیں ہوتا، طریقت کا عارف نہیں ہو سکتا۔ طریقت کا عارف

حکمت کے بے شمار بھیدوں سے واقف ہوتا ہے۔ اگرچہ ہر بھید سے نہیں اور اس بات کا کہ مخلوق کے افعال کا حقیقی فاعل اللہ ہے پورا عارف ہوتا ہے۔ یہ عرفانیت، عرفان کی ابتدا ہے۔ اور جب یہ یقین کمال تک پہنچ جائے تو یہی انتہا ہے۔ "[6]

نظریہ عشق و خرد

عشق کی جولانیوں کا بیان اور خرد کی گتھیوں کو سلجھانے کی کوشش ہر دور میں دکھائی دیتی ہے۔ ہر صاحبِ علم و فن نے اپنے علم و وجدان سے ان کی نکتہ آفرینیوں کو زیبِ قرطاس کیا ہے۔ اہلِ تصوف عقل کی اہمیت کو ایک حد تک تسلیم کرتے ہیں۔ یہ چراغِ راہ گزر سالک کو محبوب کے دَر تک تو لے جاتا ہے لیکن درونِ خانہ اس کی رسائی نہیں۔ جب کہ عشق کی ایک ہی جست محب کو محبوب کے محمل تک پہنچا دیتی ہے۔ عقل و عشق کے متعلق حضرت ابوانیس کا نقطۂ نظر دیکھیے: "عشق طریقت کا امام اور کل کائنات کی جان ہے۔ ہر عقل ناقص ہے، حضور اقدس ﷺ کے عشق میں ڈوب کر سلیم بنتی ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں جب تک عقل پہ حضرت محمد ﷺ کا عشق غالب نہیں آتا، سلیم نہیں ہوسکتی، ہر وقت نقص کا احتمال رہتا ہے۔۔۔۔ محض عقل کی رہنمائی معتبر نہیں۔ عقل، عشق کی رہنمائی میں سلیم بنتی ہے۔ عقل کی ساری داستان پڑھیں عشق کے بغیر ناکام رہی۔ جہاں بھی عشق نے اس کا ساتھ چھوڑا، دم توڑ گئی۔ جس جدوجہد میں بھی عشق کارفرما نہیں ہوتا، بے جان رہتی ہے اور بے جان چیز کیوں کر کسی مقام پہ پہنچ سکتی ہے۔ اللہ عشق عنایت فرماتے ہیں اور حضور اقدس ﷺ سوز و گداز۔ اور سوز و گداز ہی اصل زندگی ہے۔"[7]

اطاعت و محبتِ الٰہی میں خودی کی نفی بقا کی علامت ہے۔ موت سے قبل موت سے ہم کنار ہونا بقا کی ابتدا ہے اسی پہ استقامت انتہا ہے۔ جس سطح کی نفیٔ ذات، اسی معیار کی سرمدی حیات۔ فنا و بقا کے متعلق حضرت ابوانیس کا نظریہ ہے کہ سئیات فانی اور اس کے عامل کو بھی فنا کر دیتی ہیں۔ عالمِ برزخ میں بھی ندامت کا سامنا رہتا ہے۔ حسنات، باقیات الصّالحات اور اس کا عامل بعد از وفات بھی حیات۔ گویا عمل انسان کو ہر دو جہاں میں زندہ رکھتا ہے۔

نظریہ جبر و قدر

اللہ کریم کا جبار ہونا اس کی عظمت کی دلیل ہے۔ اور انسان کا قادرالمقتدر کے اَمر کا مقدور ہونا تضحیک و بے بسی نہیں خالق کی منشا کا مظہر ہے۔ کائنات کی تمام موجودات اللہ کریم کے حکم سے وجود میں آئیں، صوفیہ کے نزدیک اِن کے ارتقا اور دوام میں اُسی کا حکم جاری و ساری ہے۔ صوفی اِس صوتِ سرمدی کو سنتا ہے اور چشمِ باطن سے شانِ 'عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر' کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اللہ کی حکمتوں کے آگے سر جھکا دیتا ہے۔ حضرت ابوانیس رقم طراز ہیں: " کائنات کا ذرّہ ذرّہ اور ہر ذرّہ تقدیر کے ماتحت مجبور و مقدور ہے کسی کی بھی اپنی کوئی مرضی نہیں۔ ہر کوئی ہر حال و مقام میں تیری تقدیر کا مقدور ہے۔ کسی کی کوئی تدبیر کسی تقدیر کو نہیں روک سکتی۔۔۔۔ اللہ رب العالمین اپنی کائنات کے نظام کو عین حکمت سے چلا رہا ہے۔ ہر بندہ اللہ کی حکمت کو سمجھ نہیں سکتا۔ بندے کا یہ تسلیم کر لینا کہ "جو، جیسے ہو رہا ہے سراسر حکمت پہ مبنی ہے"۔۔۔۔ عبدیت کی جان۔ ہر تقدیر کا قادر، قادرالمقتدر ہے۔"[8] نظریہ قدر کے اہلِ علم کے نزدیک انسان محض مجبور اور پابند نہیں بلکہ اسے اپنے معمولات سرانجام دینے کا اختیار بھی دیا گیا ہے۔ حساب جبر کا نہیں، اختیار کا ہے۔ انسان کو اللہ کریم نے کائنات میں اپنی خلافت کے شرف سے نوازا ہے۔ اور خلافت بے اختیار نہیں ہوتی۔ تقدیر کی پابندی جمادات و نباتات کا خاصہ ہے۔ خلیفۃ اللہ الارض سعی پیہم سے حبیبُ اللہ کا شرف حاصل کرتا ہے۔ لَیسَ الاِنسَان اِلّاَ مَاسَعیٰ، اختیار ہی کی علامت ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ گویا کسان کو زمین ہموار کرنے، بروقت بیج بونے، پانی دینے اور کھاد ڈالنے کا اختیار ہے۔ مطلوبہ پیداوار اپنی منشا کے مطابق حاصل کرنے کا نہیں۔ ایسے ہی اعمال کی فصل بونے کا اختیار انسان کو ہے۔ سزا و جزا کی صورت میں پیداوار حاصل ہو گی۔ حضرت ابوانیس کے ہاں بھی عمل ہی کا پیغام ہے۔ وہ تاریخ کے حوالہ جات سے اپنی بات مدلل اور مؤثر بناتے ہیں دنیا کی ہر قوم نے اپنی محنت کے بل

بوتے پر ترقی کی۔ حضرت ابو انیس نوجوانوں کو نصیحت کرتے ہیں کہ تاریخ تیرے کردار کے نمونے کی منتظر ہے۔ تیرے آبا کی عظمت گفتار سے نہیں کردار سے ہے۔ روشن مستقبل کا حصول میدانِ عمل میں جوہر دکھانے سے ممکن ہے۔ تقدیر کی آڑ بے عملی کو فروغ دیتی ہے اور بے عملی قدرت کو ناپسند ہے۔ مشقت کی ذلت میں ہی عزت و عظمت ہے۔ حضرت ابو انیس کی اپنی زندگی عملی جدوجہد کی بہترین مثال ہے۔ ایک ایک لمحہ نظم وضبط کا پابند اور عمل سے آراستہ۔ نظریہ قدر کے متعلق ڈاکٹر یوسف حسین خاں لکھتے ہیں: "روح کے لیے ضروری ہے کہ اپنی آزادی کے باعث جو اس میں ودیعت تھی، نیکی اور بدی کے فرق کو محسوس کرے تاکہ ان پر قابو پاکر اپنے میں تبدیلی پیدا کرے اور ماورائی حقیقت کا قرب حاصل کرنے کا سامان بہم پہنچائے۔ انسان گناہ اور جہل پر مجبور نہیں۔ اس میں یہ صلاحیت بدرجہ اتم موجود ہے کہ وہ اپنی فطرت کے عدم کمال کو رفع کر سکے اور ذاتِ واجب کی صفاتِ کمالیہ اپنے اندر پیدا کرنے کی جدوجہد کرے۔ اس میں شبہ نہیں کہ انسان کو قادرِ مطلق سے جو اختیار ملا ہے وہ محدود ہے لیکن اس کی حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اختیار ہی انسانی ارتقاء کا اصل محرک ہے۔[9] انسان اشرف المخلوق ہے۔ اسے علم حاصل کرنے، رذائلِ اخلاق سے بچنے اور محاسنِ اخلاق کو اختیار کرنے کی صلاحیت ودیعت کی گئی ہے۔ نائبِ حق بے بسی کی تصویر نہیں ہے۔ حضرت ابو انیس نے آدم کی قدر و منزلت کو اس انداز سے بیان کیا ہے کہ اُن کے نظریہ قدر کی بھی وضاحت ہو جاتی ہے۔ لکھتے ہیں: "اللہ رب العلمین نے آدمؑ کو پیدا کر کے حکمت کی حد کر دی۔ جو سارے جہان میں ہے وہ سب ایک انسان میں ہے۔ آدمؑ کو اپنے ہاتھ سے بنایا اور اپنی صورت پہ بنایا۔ اللہ کے آدمؑ کی تخلیق کی اور آدمؑ نے آدم کی تعمیر۔ آدمؑ کو خلیفہ بنایا۔ خلیفہ بمنزلہ اصل کے ہوتا ہے۔ خلیفہ میں تین باتوں کا ہونا ضروری ہے۔ علم، مقام اور اختیار۔ جسے علم و مقام اور اختیار حاصل نہیں، وہ خلیفہ کیسا؟"[10] حضرت ابو انیس کے نزدیک "ہر بندہ اچھی سے اچھی بات اپنی طرف اور بُری سے بُری بات شیطان کی طرف منسوب کرتا ہے۔ حالانکہ ہر بندہ فعل کے اعتبار سے فعل مختار ہے۔ انسان کو فعلِ مختار بنایا، اسی لیے جزا و سزا کا مستحق ٹھہرایا۔"[11] مذکورہ حوالہ جات سے یہ واضح ہے کہ اہل طریقت کے نزدیک قدر سے مراد وہ اختیار ہے جس کی بنا پر انسان جادۂ حق کا انتخاب کرتا ہے۔ اور اعمال حسنہ کی انجام دہی سے مقام علیّین حاصل کرتا ہے۔ اہلِ تصوف فنا و بقا کے راز مختلف حکمتوں سے بیان کرتے ہیں۔ علمی دلیل سے عام الناس کو اور اپنے مشاہدہ کے بیان سے خاص کو مطمئن کرتا ہے۔ حضرت ابو انیس کے نزدیک ہر وجود کو فنا ہونا ہے اور طریقت میں جیتے جی اپنی نفی میں بقا کا راز مُضمر ہے۔ باقی جب فانی میں جلوہ گر ہوتا ہے تو فانی بھی دائمی حیات کا امین بن جاتا ہے۔ گویا نیستی میں ہستی پوشیدہ ہے۔ حضرت ابو انیس لا الہ الا اللہ کی دلیل سے فنا و بقا کے متعلق لکھتے ہیں: "ہر شے کے دو وجود ہیں۔۔۔۔ ایک فانی، ایک باقی۔۔۔۔ جو آپ دیکھتے ہیں فانی ہے اور جس کے نور سے ہر شے موجود اور قائم ہے۔ اور آپ دیکھ نہیں سکتے، باقی ہے۔ پہلی لا الہ اور دوسری الا اللہ ہے۔ لا الہ نفی۔۔۔۔ الا اللہ اثبات، لا الہ مقام فنا۔۔۔۔ الا اللہ بقا ہے۔ لا الہٰ سے ہر شے کی نفی کر! اور الا اللہ سے قائم کر! کائنات کی ہر شے میں کائنات کے خالق و مالک کو دیکھ، ہر شے اللہ نہیں، ہر شے میں اللہ ہے۔۔۔۔ گھاس کے اس سوکھے ہوئے تنکے اور گلاب کے اس مہکتے ہوئے پھول میں ایک ہی نور جلوہ گر ہے۔ صنعت میں صانع کو دیکھ۔ اور صانع صنعت میں ایسے پوشیدہ ہے۔ جیسے کہ "گنے میں گڑ"۔۔۔۔ لا الہ۔۔۔۔ مقام نیست و نابود۔۔۔۔ اور الا اللہ۔۔۔۔ مقام ہست و بود ہے۔ نیستی میں ہستی تلاش کر۔"[12] مذکورہ سطور میں حضرت ابو انیس کی نثر سے چند ایک صوفیانہ تصورات کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہ متصوفانہ افکار و نظریات کو اختصار اور فصاحت و بلاغت سے بیان کرتے ہیں۔ قاری کو پیچیدگیوں میں اُلجھائے بغیر بات اُس کے دل میں اتار دیتے ہیں۔ یہ صرف نظریات نہیں بلکہ اُن کا حال ہے۔

ابو انیس کی نثر میں صوفیانہ اصطلاحات

حضرت ابو انیس تفاصیل میں جائے بغیر اخلاق و تصوف کے مضامین کو جامع اختصار سے اس طرح بیان کرتے ہیں کہ فصاحت و بلاغت کے معیار کو گرنے نہیں دیتے۔ معنوی گہرائی کے اعتبار سے اُن کے الفاظ کا انتخاب اور جملوں میں حُسنِ ترتیب قابلِ تحسین ہے۔ کسی مضمون کا چند جملوں میں احاطہ کرتے ہیں اور اس کے مرکزی نکتے کو خوبصورت اصطلاح میں سمو دیتے ہیں۔ اپنے مختلف افکار کو کس طرح متصوفانہ اصطلاحات میں بیان کرتے ہیں چند ایک کا جائزہ پیشِ خدمت ہے۔ قال اور حال کی وضاحت ملاحظہ کیجیے: "جو کچھ اللہ نے اپنی کتاب قرآن کریم میں فرمایا، قال ہے۔ اس قال پہ عمل کا اصطلاحی نام، حال ہے۔ اسی طرح جو کچھ حضور اقدس ﷺ نے ہماری اصلاح و فلاح کے لیے فرمایا، قال ہے اور اس پہ عمل کا نام، حال ہے۔"[13] اللہ کی راہ میں شہادت کی عظمت کو نئے انداز میں بیان کرتے ہیں: "شہادت کام ہی کے انعام کا اصطلاحی نام ہے۔ انسانی زندگی کی جو جدوجہد اللہ کے ہاں مقبول ہو جاتی ہے اور اللہ جسے سب سے بہت انعام عنایت فرمایا کرتے ہیں وہ شہادت ہے اللہ ہماری زندگی کی جدوجہد کو شہادت پہ ختم کرے۔"[14]

خودی کا لفظ جو مَن عَرَفَ نفسہ کے معنوں میں مستعمل ہے معرفتِ ذات اور نفس کے حوالے سے خوب صورت اصطلاح دیکھیے۔ ان چند جملوں کی شرح کریں تو صفحات درکار ہوں گے۔ روح اور نفس کی حقیقت کتنی عمدگی سے بیان کی ہے: "اللہ نے اپنے بندے کو اپنے نفس کی عزت کے مقام کو بلند اور قائم رکھنے کے لیے بھیجا، صرف روح کی بلندی کے لیے نہیں۔ روح تو پہلے ہی بلند ہے۔ دنیا میں مقصود روح کی بلندی نہیں، نفس کی عزت ہے۔ اسے ہی اصطلاح میں خودی کہتے ہیں۔"[15] جب کوئی سالک عشقِ الٰہی میں مُوتُوا قَبلَ اَن تَمُوتُوا کی منزل طے کر لیتا ہے تب حدیث کے مطابق اس کی آنکھیں، سماعت، زبان اور ہاتھ اللہ کے بن جاتے ہیں۔ گویا قطرہ دریا میں فنا ہو کر دریائی صفات کا مظہر بن جاتا ہے۔ اس کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ اور زبان کُن فَیَکُون کی ترجمان بن جاتی ہے۔ حضرت ابو انیس کے نزدیک یہ معرفت کا اولین مقام ہے۔ مقالات حکمت میں لکھتے ہیں: "اللہ کے بندے مرا نہیں کرتے، موت کی سب نشانیاں اپنے وجود پہ وارد کر کے "لِسانُ الغیب" کے مورد بن جاتے ہیں اور لسان الغیب "ھُو" کی آواز ہوتی ہے "ھُو" کی ندا برحق ہوتی ہے سدا قائم رہتی ہے۔ یہی عارفیت کا اوّلین مقام ہوتا ہے۔"[16]

محبت و اطاعتِ الٰہی میں اپنی محبوب چیزوں کو ترک کرنا تقویٰ ہے۔ اہل تصوف کے نزدیک دنیاوی اسباب کے ترک کے ساتھ ساتھ خواہشات کا ترک اصل کمال ہے اور یہی طریقت الاسلام ہے۔ حضرت ابو انیس کا قابلِ تحسین انداز ملاحظہ کیجیے: "ترکِ تام سے مراد ہر شے کا ترک ہے۔ مکشوفات کا بھی۔ مکشوفات ترک کے تابع ہیں، ترک مکشوفات کے نہیں۔ طریقت الاسلام میں نفی تام کا اصطلاحی نام ترک ہے اور ترک کے دو مقامات ہیں۔ ترکِ ممنوعات اور ترکِ تمنا۔"[17] سلوک کے سفر میں عبادت و ریاضت سے زیادہ شیخ کی توجہ کی اہمیت ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے آدابِ فرزندی کا اعجاز، فیضانِ نظر کا کمال ہے۔ عصرِ حاضر میں تو مکتب کی کرامت ترقیٔ معکوس ہے۔ اخلاقیات نہ صرف زوال پذیر بلکہ پستی کی اتھاہ گہرائیوں میں گری ہوئی ہے۔ اب کسی مردِ کامل کی توجہ ہی سالک کی تقدیر کو بدل سکتی ہے۔ حضرت ابو انیس محبت بھرے انداز میں لکھتے ہیں: "روح و قلب و نفس تینوں کا آپس میں مربوط و متّصل و متحد ہو کر کسی خُفتہ نصیب کے نصیب کو بیدار و بلند کرنے کی نیت سے اس کی طرف کمال محبت کے عالم میں دیکھنے کا اصطلاحی نام توجّہ ہے۔"[18] اللہ کریم بندے کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہیں۔ اس قربت کی معرفت فقیر کو حاصل ہوتی ہے۔ وہ ذات کریم کی معیت کا مشاہدہ کرتا ہے۔ یہ تن من اُسی کے حکم سے منظوم و متحرک ہے۔ حضرت ابو انیس سانس کے پردوں میں مستور ذات کی تلاش اور پہچان کے بھید کو صوفیانہ انداز میں بیان کرتے ہیں: "نَحنُ اَقرَب۔ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب قرآنِ کریم میں فرماتا ہے کہ میں شاہ رگ سے بھی نزدیک ہوں نیز فرمایا کہ بیچ تمہارے نفسوں کے۔۔۔۔ اور

جس نے بھی تیری خبر دی، یہی دی کہ تو بیچ ہی میں ہے۔ تجھے جس نے بھی پایا، اپنے اندر ہی پایا۔۔۔ اس سارے تن میں صرف سانس ایک ایسی چیز ہے جس کا کوئی جسم نہیں۔ لطیف، بے رنگ غیر اختیاری اور آزاد ہے۔ دَم اس تن کی حیات کا واحد باعث اور زندگی کا دارومدار سانس ہی پہ موقوف ہے۔۔۔ اس دم کو یونہی مت جان۔ اس دم میں خالق کا وہ بھید مخفی ہے جو بہت کم بندوں پہ کھُلا۔ اس دم میں اُسے تلاش کر۔۔۔ جو تجھ میں ہے، وہ ہر میں ہے۔ جو ہر میں ہے، وہ تجھ میں ہے۔"[19]

انسانوں کی رہنمائی کے لیے اللہ انبیا علیھم السلام اور اولیاء کو مامور فرماتا ہے۔ انبیاء کے مامور ہونے کو تسلیم کرنے سے کُفر لازم آتا ہے۔ اولیا کو مامور من اللہ تسلیم نہ کرنے والے کو معتوب تصور نہیں کیا جاسکتا۔ یہ صوفیانہ وسیع القلبی ہے۔ مامور من اللہ کی اصطلاح کی وضاحت میں حضرت ابو انیس لکھتے ہیں: "مامُور مِنَ اللہ۔ مامور من اللہ کا لفظ تمام انبیاء علیھم السلام کے لیے بولا جاتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام انبیاء اللہ کی طرف سے بندوں کی ہدایت کے لیے مقرر کیے گئے ہیں اور انبیاء کا مامور ہونا وحی سے ثابت ہے، واضح طور پر ثابت ہے۔ جب یہی لفظ اولیائے عظام رضوان اللہ علیھم اجمعین کے بارے میں استعمال ہوتا ہے تو اس سے اللہ کے وہ نیک مومن بندے مراد ہوتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے قرآن وسنت کا علم عطا کیا اور اُن کے نفوس کا تزکیہ فرمادیا۔ انہیں توفیقی اعتبار سے ہدایت کے مقام پر فائز اور مقرر کیا جاتا ہے۔۔۔ انبیاء کے مامور من اللہ نہ ماننے سے کفر لازم آتا ہے۔ اولیائے کرام کو مامور من اللہ تسلیم نہ بھی کرے تو اس کے ایمان میں کوئی فرق نہیں آتا، نہ ہی وہ دائرہ اسلام سے خارج ہوتا ہے۔ اگرچہ اولیائے کرام کو مامور من اللہ تسلیم کر لینا اور ان کی محبت رکھنا باعثِ خیر وبرکت ہے۔ پھر بھی تسلیم نہ کرنے والوں کو کسی طرح معتوب نہیں کیا جاسکتا۔"[20]

حضرت ابو انیس کی نثر میں صوفیانہ افکار و نظریات اور اصطلاحات بکثرت موجود ہیں۔ ان کے مطالعہ سے نئے اسرار و رموز منکشف ہوتے ہیں۔ اہلِ علم کے جذبہ تحقیق و تنقید کو بھی تسکین ملتی ہے۔ اسلامی تعلیمات کا بہترین مظہر صوفیانہ ادب ہے۔ اسلام کے اوامر و نواہی کو فرد اور معاشرے کی تعمیر کے لیے دل نشیں انداز میں پیش کیا جاتا ہے تاکہ اصلاح کے مقصد کی تکمیل ہو۔ ڈاکٹر سید عبداللہ کے نزدیک "اس کے موضوعات معرفتِ ایزدی، معرفت کائنات، فقر، حیا، صلہ رحمی، عفت، ذوق زندگی، ذوق علم و حس، حریت، وحدت و مساوات، صبر، ادب اور انسان دوستی جیسی اقدار کی ترجمانی پر مشتمل ہے۔ یہ وہ موضوعات ہیں جو سب مسلم اقوام کے ادبوں میں بیان کیے جاتے ہیں۔ ان کا مرکزی مقصد قلب انسانی کو یاد الٰہی کے ذریعے پاک کر کے اعلیٰ معاشرتی جذبات اور عمدہ رویوں کے لیے فرد اور معاشرے کو تیار کرنا تھا۔"[21]

حضرت ابو انیس کی نثر کا مشاہداتی و عرفانی پہلو

ہر ادیب زندگی کے حقائق کا مشاہدہ کرتا ہے۔ وہ صفحۂ دہر پہ بکھرے زندگی کے ہر رنگ کو عمیق نظر سے دیکھتا ہے اور الفاظ کی صورت میں مجسم کر کے قارئین کو پیش کر دیتا ہے۔ علمی و نظری صوفی ظاہری مشاہدات کو بیان کرتا ہے جب کہ عملی صوفی ظاہری و باطنی ہر دو مشاہدات کو پیش کرتا ہے۔ اس کی فراست اللہ کے نور سے منور ہوتی ہے۔ کوئی حجاب راہ میں حائل نہیں ہوتا۔ وہ جن حقائق کا مشاہدہ اور عرفان حاصل کرتا ہے اس سے قاری کو بھی آگہی دینا چاہتا ہے۔ اس معرفت کی بدولت اس کا کلام پُر تاثیر ہوتا ہے۔ پڑھنے والے کے ذہن و قلب پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اس کے فکر و عمل کو تابندگی بخشتا ہے۔ حضرت ابو انیس انھیں صفات کے حامل صوفی ادیب ہیں۔ اُنھیں حقائق زندگی کا ادراک ہے۔ اُن کی تخلیقات اُن کے مشاہدے اور وارداتِ قلبی کی ترجمان ہیں۔ طالبِ طریقت کو راز ہائے شریعت و طریقت سے آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ حضرت ابو انیس پر جب روحانیت کا غلبہ ہوا تو فوج کی ملازمت سے استعفادے دیا۔ اپنے روحانی پیشوا حضرت علی احمد صابر کلیری کے مزار پر حاضر ہو کر ایک عہد کیا جو اُن کی زندگی کے نصب العین کا عکاس ہے۔ اللہ کریم کا ذکر، دین کی دعوت و تبلیغ اور مخلوق کی بے لوث

خدمت۔ پھر تمام عمر اس قول پر کاربند رہے۔ بارگاہِ رسالت ﷺ سے اس عمل کی منظوری اور حکم کے متعلق لکھتے ہیں: "ایک برکت والی رات میں اس ناچیز کو حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔ اُسے دیکھ کر انہوں نے دستِ مبارک سے رُخِ انور کو چھپالیا جس پر دہ بڑا کھسیانا ہوا، اپنی قسمت پر رویا اور پانی پانی ہوگیا۔ ایک طاق کھُلا، اس نے ایک کفِ دست میدان دیکھا اور دیکھا کہ ساری دنیا، اللہ اللہ! توبہ توبہ۔ کیسے کیسے کاموں میں مصروف ہے پھر اُسے تاکیدی لہجے میں فرمایا: "اٹھ کر اب ان سب کو روکو" یہ سُنتے ہی اس کادل دنیا دے دور ہوگیا۔ اس کے دل میں کسی بھی چیز کی کوئی طلب باقی نہ رہی۔۔۔۔اِس میں اس کا اپنا کوئی کمال نہیں، یہ جو کچھ بھی ہوا، اُن ہی کی توفیق واردات سے ہوا، اور وہ اس عنایت الٰہی کا بے حد مشکور ہے۔۔"[22]

حضرت ابوانیس نے اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و محبت اور اُن کی تعلیمات واحکامات کے فروغ و اشاعت میں بسر کی۔ جو روحانی عنایات ہوئیں انھیں کتاب العمل بالسنہ المعروف بہ ترتیب شریف اسماء النبی الکریم، مکشوفات منازلِ احسان اور مقالاتِ حکمت، کی صورت میں پیش کر دیا۔ ان کے اس علمی سرمائے سے ابد تک لوگ فیض یاب ہوتے رہیں گے۔ حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ مومن کی فراست سے بچو وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ روحانی مشاہدات و مکاشفات سے اسی نور کی بدولت ہوتے ہیں۔ صوفی ان مکاشفات کو اپنی کرامت نہیں گردانتا بلکہ اس عنایت الٰہی پر عجز و شکر کا اظہار کرتا ہے۔ کشف کی بدولت چیزوں کی حقیقت اور مخفی بھید کھل کر سامنے آتے ہیں۔ کائنات کا وجود، ہر شے کی فانی حیثیت کا ادراک، اور کشائش دنیا سے دامن بچا کر اطاعتِ الٰہی کی لگن میں مگن ہونا اعلیٰ درجے کا عرفان ہے۔ حضرت ابوانیس اختصار و جامعیت سے عرفان کی تکمیل کے مراحل کو بیان کرتے ہیں: "تکمیل عرفان: ہر شے کو، خیر یا شر، اللہ کی طرف سے حکمت پہ مبنی سمجھ کر خندہ پیشانی سے تسلیم کرنا عرفان کا ابتدائی مقام ہے۔ کھانے کے لیے معمولی کھانا یا پہننے کے لیے معمولی لباس اور رہنے کے لیے معمولی گھر کے سوا ہر قسم کی آسائش واستراحت کے مال واسباب سے کلیۃً منہ موڑ کر اپنے کام میں ہمہ تن ومن محو و منہمک رہنا عرفان کا میانہ مقام ہے اور اپنے کام کے سوا کائنات کی ہر شے کو بھول جاتا اور کسی بھی شے سے کوئی دلچسپی نہ رکھنا عرفان کا انتہائی مقام ہے۔۔"[23]

عارف زندگی کی حقیقت سے آگاہ ہوتا ہے، سانس کی ڈور کی نزاکت کو سمجھتا ہے۔ اپنے مشاہدہ اور عرفان کی روشنی میں لوگوں کو بھی شعور دیتا ہے کہ اس جہانِ بے ثبات کی رعنائیوں میں کھوئے بغیر دائمی اُخروی زندگی کو سنواریں۔ عالم برزخ اور عالم حشر میں سرخروئی کے لیے جدوجہد کریں۔ لوگوں کی اکثریت یہ جاننے کے باوجود دنیاوی آسائشات کے حصول کو نصب العین بنائے ہوئے ہے۔ حضرت ابوانیس انھیں خوابِ غفلت سے بیدار کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "احوال القبور: میں ستر سال دنیا میں رہا، شب وروز دنیا ہی کمانے میں مصروف رہا۔ اگر کوئی مجھے روکتا، میں کوئی پروانہ کرتا جس دن سے میں دنیا کو خیر باد کہہ کر یہاں آیا ہوں، میرے اہل وعیال میں سے کوئی بھی میرے پاس کبھی نہیں آیا، نہ ہی کسی نے میری کمائی میں سے کوئی مال میرے لیے خیرات کیا۔ کیا ہی خوب ہوتا جو دنیا میں وہ کام کرتا جو یہاں کام آتے۔۔"[24] اہل حق اپنے مشاہدات کے بیان سے قاری کے دل میں اصلاح کی تحریک پیدا کرتے ہیں۔ اس کے دل سے خوف کو دور کرتے ہیں اور حصولِ منزل کے شوق کو ہوا دیتے ہیں۔ حضرت ابوانیس فنا فی اللہ کی منزل کے حامل ہیں۔ اس ذاتِ کریم کے انوار کی ہر تخلیق میں جلوہ آرائی کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اس ماورائی حال کو خوب صورت فہم آمیز امثال سے بیان کرتے ہیں جو انتہائی اثر انگیز ہے قرآنی دلیل سے مزین دل آویز پیرایہ اسلوب ملاحظہ کیجیے: "دھوپ کتنی بھی تیز ہو کسی نہ کسی طرح برداشت کی جاسکتی ہے، لیکن سورج کا قرب کسی سے بھی اور کسی بھی حال میں کبھی برداشت نہیں ہوسکتا جل بل کر بھسم ہو جائے۔ دُھوپ سُورج نہیں۔۔۔۔۔۔۔ سورج سے جدا بھی نہیں۔ اسی طرح: عرش عظیم و کریم و مجید تا تحت الثریٰ کائنات کی ہر شے کے وجود میں، اللہ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالاَرضِ، کا نور موجود ہے، اور کوئی پتا، کوئی ذرہ ایسا نہیں، جو ارادتِ ازلی کے نور سے مخمور نہ ہو۔ عرش، دور، اندر، مستور، نَحنُ اَقرَبُ، حضور۔۔"

[25] حضرت ابوانیس اللہ کے عطا کردہ نورِ فراست سے ظاہر و باطن کے مشاہدے سے جو معرفت و عرفان حاصل کرتے ہیں۔ اسے انسانوں کی رہنمائی کے لیے دل نشیں انداز میں، جامع الفاظ میں بہترین دلائل و امثال سے احاطۂ تحریر میں لاتے ہیں۔ چشمِ تصور سے بالا ماورائی حقائق جب الفاظ میں مجسم ہو کر سامنے آتے ہیں تو قاری حیرت میں گم نہیں ہوتا بلکہ اُسے بھی تفہیم کی لذت محسوس ہوتی ہے اور دل میں عملی طور پر اُن حقیقتوں سے شناسائی کا شوق اور جذبہ پیدا ہوتا ہے یہی صوفی کا مقصود ہوتا ہے۔ وہ انسانوں کو دنیا کی رنگینی سے بچا کر خالقِ دنیا کے حُسن و جمال کے مشاہدے کی طرف راغب کرتا ہے۔ شیطان، خناس اور وساوس کس طرح اس کی راہ میں روڑے اٹکاتے ہیں اِن کے مکر و فریب سے کیسے اجتناب ممکن ہے۔ کائنات خیر اور شر سے منظوم ہے۔ ہر شے ارادتِ ازلی کے تحت محوِ عمل ہے خود سر نہیں۔ ہر شے جب منجانبِ اللہ ہے تو شر کی تفہیم کتابی علم سے مشکل ہو جاتی ہے۔ کیوں کہ کتاب کا عالم ارادتِ ازلی کے مشاہدے سے محروم ہے۔ اس کے خیال کی پرواز خیال تک محدود ہے۔ یہ صوفی ہے جو ظاہری و باطنی علوم، اسرار اور حقائق کا نہ صرف عارف ہوتا ہے بلکہ بیان پر بھی دسترس رکھتا ہے۔ اس کی تحریر صرف و نحو کا عمدہ ترین نمونہ ہوتی ہے۔ معنویت سے بھرپور۔ الفاظ، حلاوت آمیز ترتیب قاری کو اپنے حصار میں لے کر علم و آگہی کے موتی دان کرتی ہے۔ قرآن میں امورِ خیر کے کرنے اور شریر امور سے بچنے کا حکم ہے۔ گویا خیر و شر کا عرفان، معرفتِ الٰہی کا پیش خیمہ ہے۔ اسی معرفت میں کمال اور اس پہ استحکام جُز کو کُل میں فنا کر کے ابدیت کا امین بنا دیتا ہے۔ اللہ کا ذکر، بخشش، رحمت، بلندیٔ درجات اور اطمینانِ قلب کا باعث ہے۔ اللہ کریم کے تمام اسماء خاص ہیں۔ ہر نام کے ورد کے مختلف فوائد و ثمرات ہیں۔ حضرت ابوانیس کے نزدیک 'یاحیّ یاقیوم' خاص اسمِ اعظم ہے جس کے فضائل احاطۂ تحریر سے باہر ہیں۔ اُن کی زندگی کا خاص عمل اور وظیفہ یاحیّ یاقیوم تھا جسے وہ روزانہ توفیقِ الٰہی سے ساڑھے چار لاکھ مرتبہ سے زائد بار پڑھتے۔ اسی اسمِ خاص کی بدولت حضرت سلیمان علیہ السلام کے وزیر آصف بن برخیہ نے ملکہ بلقیس کا تخت پلک جھپکنے سے پہلے پیش کیا۔ بلعم باعور اس نام کا عامل تھا۔ حضرت ابوانیس نے انھیں اس حال میں قائم دائم دیکھا۔ اپنے مشاہدے کو یوں بیان کرتے ہیں: "بلعم باعور کو اسم اعظم عنایت ہوا، وہ چلے گئے، اپنی حکایت چھوڑ گئے۔ کسی کو بھی بھولے نہیں بھولی۔ میں اس بات کو کھولنا نہیں چاہتا۔ اس عنایت کا ادب کرتا ہوں اور اِکرام سے معمور پاتا ہوں۔ اسم اعظم کا نور ابدی ہوتا ہے، فنا نہیں ہوتا۔ جوں کا توں قائم دائم۔ اور میں نے بلعم باعور کو اسی حال میں دیکھا۔" [26] حضرت امام حسینؓ کا اسم خاص بھی یاحیّ یاقیوم ہے۔ اس کی برکت سے حیاتِ سرمدی کے امین ہیں۔ اور ایک ایسے روحانی حوض کے وارث ہیں جہاں سے خاص مردانِ حق شناس فیض یاب ہو کر دائمی حیات پاتے ہیں۔ اس حقیقت کے مکاشفے کو حضرت ابوانیس محبت بھرے انداز میں بیان کرتے ہیں: "یاحیّ یاقیوم کی حقیقت کے مظہر: سیدّنا حسین رضی اللہ عنہ، حوضِ اصفیٰ کے وارث سیدُالشہداء، زندۂ جاوید، ماشاء۔" [27] "آپ علیہ السلام اور آپ کا لشکر ایک غار میں مقیم ہیں، شہداء آپ کے رفقا ہوتے ہیں۔ حوضِ کوثر آسمان پر ہے اور اس کے عین نیچے حوضِ اصفیٰ ہے اور حوضِ اصفیٰ کے ساقی سیدنا امام حسین علیہ السلام ہیں۔ اس حوض سے ایک بار پینے والے کو پھر پینے کی حاجت نہیں رہتی اور اس سے پینے والا کبھی تشنہ کام نہیں رہتا۔" [28] نفلی عبادات قربِ الٰہی کا بہترین وسیلہ ہیں تہجد کی نفل نماز اللہ کریم کی پسندیدہ ہے۔ سورہ مزمل میں اپنے محبوب حضور اقدس ﷺ کو بھی شب بیداری (تہجد) کا حکم دیا ہے۔ حدیث کے مطابق خود ذاتِ کریم اس وقت پہلے آسمان پر جلوہ افروز ہوتی ہے۔ اور حاضر ہونے والے ہر سائل کو نوازتی ہے۔ یہ سعید لمحات ہر خطے کے لحاظ سے مختلف اوقات میں جاری و ساری رہتے ہیں۔ حضرت ابوانیس اپنے مشاہدے کو بیان کرتے ہیں: "یہ سعید و مسعود مبارک ساعت کسی نہ کسی ملک و مقام پر ہر وقت جاری رہتی ہے۔ یہاں تک کہ بحرِ منجمد شمالی اور جنوبی میں بھی۔ واضح ہو کہ مخلوق وہاں بھی بستی ہے۔" [29]

ماحصل

ظاہری آنکھ زندگی کے خارجی حقائق کا مشاہدہ کرتی ہے۔ باطن میں پوشیدہ اصل حقیقت تک اس کی رسائی نہیں۔ دل کی آنکھ جب کھُلتی ہے تو پھر سراغِ زندگی ہاتھ آتا ہے۔ حضرت ابو انیس نورِ معرفت سے فنا و بقا کے جن اسرار سے واقفیت حاصل کرتے ہیں اُنھیں صوفیانہ اصطلاحات اور الفاظ و تراکیب میں اس طرح بیان کرتے ہیں کہ قاری کو مافوق الفطرت نہ معلوم ہوں بلکہ اپنائیت محسوس ہو۔ اُس کے دل میں بھی اپنی خوابیدہ آنکھ کو کھولنے کا جذبہ پیدا ہو اور اپنی فانی زندگی کو حسنِ عمل سے آراستہ کرے۔

References

[1] Muhammad Barkat Ali, Maqalat -e-Hikmat (Faisalabad: Darulihsan,1394 A.H), 10-11
[2] Muhammad Barkat Ali, Maqalat -e-Hikmat,82
[3] Muhammad Barkat Ali, Maqalat -e-Hikmat, Vol:17 44
[4] Muhammad Barkat Ali, Maqalat -e-Hikmat, Vol,14:71
[5] Muhammad Barkat Ali, Maqalat -e-Hikmat, Vol,1:159-60
[6] Muhammad Barkat Ali, Maqalat -e-Hikmat, 330
[7] Muhammad Barkat Ali, Maqalat -e-Hikmat, Vol,17:114-15
[8] Muhammad Barkat Ali, Maqalat -e-Hikmat, Vol,14:127-28
[9] Yousaf Hussain Khan,Rooh-e-Iqbal (Lahore,Aaina-e-Adab,1969AD), 445-46
[10] Muhammad Barkat Ali, Maqalat -e-Hikmat, Vol,1:446
[11] Muhammad Barkat Ali, Maqalat -e-Hikmat, Vol,17:104
[12] Muhammad Barkat Ali,Makshoofat-e-Manazil-e-Ihsan, Vol,1:173-74
[13] Muhammad Barkat Ali, Maqalat -e-Hikmat, Vol,1:134
[14] Muhammad Barkat Ali, Maqalat -e-Hikmat, 296
[15] Muhammad Barkat Ali, Maqalat -e-Hikmat, 332
[16] Muhammad Barkat Ali, Maqalat -e-Hikmat, Vol,24:199
[17] Muhammad Barkat Ali, Maqalat -e-Hikmat, Vol,4:39
[18] Muhammad Barkat Ali, Maqalat -e-Hikmat, Vol,3:52
[19] Muhammad Barkat Ali, Maqalat -e-Hikmat, Vol,14:122-25
[20] Muhammad Barkat Ali, Maqalat -e-Hikmat, 199-201
[21] Syed Abdullah,Dr,adab-o-Fun(Lahore:Maghrab-e-Pakistan urdu Aeadmy,1987 AD), 157-58
[22] Muhammad Barkat Ali, Maqalat -e-Hikmat, Vol,2:10-11
[23] Muhammad Barkat Ali, Maqalat -e-Hikmat, Vol,1:316
[24] Muhammad Barkat Ali, Maqalat -e-Hikmat, 317
[25] Muhammad Barkat Ali, Maqalat -e-Hikmat, Vol,4:378-79
[26] Muhammad Barkat Ali, Maqalat -e-Hikmat, Vol,17:63
[27] Muhammad Barkat Ali, Maqalat -e-Hikmat, 154
[28] Muhammad Barkat Ali, Maqalat -e-Hikmat, Vol,9:114-15
[29] Muhammad Barkat Ali, Maqalat -e-Hikmat, Vol,17-144